☆ ڈاکٹر شہلا نگار

آزادی کے بعد سندھ میں شاعری کے ابتدائی مراحل

Early stages of poetry in Sindh after independence

Abstract:

After the creation of Pakistan sindhi literature has made much progress in each field on large scale in this way Sindi language was being promoted in Pakistan in sublime way. Sindhi is one of the oldest languages of the Indus Valley having a peculiar literary colour both in poetry and prose. Sindhi poetry is very rich in thought as well as contain variety of genres like other developed languages. Old Sindhi poetry impacts upon contemporary languages and also accepts the healthy influence .In new tredn of Sindhi potery new voices were raised to have bold impact on the audience.Sindhi poetry raises the voice of communal violence as well as feudalism in the society.

Keywords: *Sindhi Literature, Peculiar Literary Colour, Contemporary Languages, Poetic Impacts, Variety of Genres Communal Violence .*

....

قیامِ پاکستان کے بعد سندھی ادب میں خاصی ترقی ہوئی ہے حالانکہ ناول اور ڈرامے آزادی سے پہلے کے مقابلے میں کم لکھے گئے ہیں لیکن شاعری، افسانہ نگاری، تحقیق وتنقید کے میدان میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔اس دور کا جدید ادب بین الاقوامی رُجحانات سے متاثر ہوا ہے۔

> اس دور کے جدید ادب میں وہ سب خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو ہمیں بین الاقوامی ادب میں ملتی ہیں۔ اس دور میں ترقی پسند ادیبوں کی تصانیف نے نوجوانوں اور نئی نسل کو کافی متاثر کیا ہے۔(1)

سندھی شاعروں نے زمیندارانہ اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف افسانہ نگاروں سے بھی زیادہ بلند آہنگ میں اپنی آواز اُٹھائی ہے۔تنویرعباسی، عبدالکریم گدائی، ابراہیم منشی، سرویچ سجاول، نیاز ہمایونی اور اُستاد بخاری کے مجموعوں میں اِس آواز کی گونج سننے میں آتی ہے۔ عبدالکریم گدائی کہتا ہے کہ:

ہر عیش اور آرام میسر ہے
کسان اپنی محنت کے ثمر سے ہر وقت محروم ہے
وڈیرے سانپ کی طرح گندم پر قابض ہیں
کسان کے بچے دانے دانے کے لیے ترس رہے ہیں

سندھی شاعر نہ صرف زمینداروں کے ظلم وستم اور کسانوں کی خستہ حالی کی تصویر کشی کرتا ہے بلکہ ہر طرح کے طبقاتی اِستحصال کے خلاف بھی آواز بلند کرتا ہے۔

نیا معاشرہ وہ ہی تعمیر کرے گا
جو اس استحصالی دُنیا کو نابود کرے گا(2)
(تنویرعباسی)

اے مظلوم لوگو! مبارک ہو
عنقریب اس دہر کی فضا میں تبدیلی آنے والی ہے
(شمشیرالحیدری)

سندھی شاعروں نے طبقاتی مسائل کو بھی اہمیت دی ہے۔
''اُستاد بخاری'' ایک بھوکے مزدور کی زبانی کہتا ہے:

مرحبا اے فاقہ! آج بھی تم آئے ہو
مگر تمہارا ہر روز آنا ٹھیک نہیں ہے

اپنے ایک شعر میں جوہری بم پر ضائع ہونے والی کثیر دولت اور روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے صدا لگانے والوں کا ذِکر یوں کرتا ہے:

ایک بم پر لاکھوں روپے ضائع ہو رہے ہیں
انسان سوکھی روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے چلا رہا ہے (3)

پھر وہ کارخانوں کا ذِکر کرتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ جب وہاں ہر روز ہزاروں تھان کپڑا تیار ہوتا ہے تو اسی کارخانے کا مزدور ننگا کیوں رہتا ہے؟

ایسے کارخانوں سے کیا فائدہ جو ہزاروں تھان کپڑا تیار کرنے کے باوجود اپنے مزدوروں کے تن نہیں ڈھانپ سکتے۔سندھی شاعر نہ صرف طبقاتی ظلم کو اُجاگر کرتا ہے بلکہ وہ اس معاشرے اور ماحول کو تبدیل کرنے کا بھی متمنی ہے وہ ایسے سماج کو بدل دینا چاہتا ہے جس میں اکثریت حیوانوں سے بھی بدتر زندگی بسر کرتی ہے۔

شیخ عبدالحلیم جوش لکھتا ہے:

اے جوش دھرتی پر دوزخ برپا ہے
خدا کب تک خاموش رہے گا

نیاز ہمایونی یوں لکھتے ہیں:

تاریک شب کے جانے اور روشن صبح کے آنے کے احساس
سے ہمارے لیے تکلیفیں بھی خوشگوار ہوگئی ہیں

سب سے اہم بات جس نے سندھی معاشرے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے وہ احساسِ محرومی ہے۔سندھی عوام یہ محسوس کر رہے ہیں کہ بار بار جمہوریت کے قتل اور جبر کے نفاذ نے اسے ان کے جائز حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ یہ احساس ادیبوں اور شاعروں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔نثر نویسوں کے مقابلے میں شاعروں نے اِس پر زیادہ لکھا ہے۔

اُستاد بخاری کہتا ہے کہ آزادی تو ملی لیکن غلامی کیوں ختم نہیں ہوئی۔

خوش نصیبی ہے کہ آزادی حاصل ہوئی ہے
لیکن بدقسمتی ہے کہ غلامی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا

عبدالکریم گدائی سندھی عوام کی محرومیوں کی تصویر یوں پیش کرتے ہیں:

عجب انداز میں آزادی حاصل ہوئی ہے
کہ گل کا گریبان چاک اور دامن تار تار ہے

جدید سندھی شاعری کا بیج گو کافی پہلی بویا جا چکا تھا لیکن اس کا باقاعدہ آغاز قیامِ

پاکستان کے بعد ہی ہوا۔ اس سے پہلے کی مروّجہ شاعری فارسی کے کلاسیکی اور اُستادانہ رنگ میں رچی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی ایک مُدّت تک سرکاری زبان رہنے کی وجہ سے تعلیم کے لیے ضروری قرار دی گئی تھی۔ اس کا اثر شاعری پر ہونا لازمی تھا لیکن انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں کا ادب جوں جوں متعارف ہوتا گیا ہماری شاعری میں ندرت آتی گئی۔ ہماری جدید شاعری مغربی فکروعمل کی ویسی بھی تقلید نہیں ہے جیسی گزشتہ دور کی سندھی شاعری، فارسی تشبیہات و اِستعارات کا ذخیرہ رہی۔ اس کے برعکس جدید سندھی شعراء نے سندھی لب و لہجے اور سندھی شاعری کی کلاسیکی روایات کو اُجاگر کیا ہے۔

پاکستانی دور کی سندھی شاعری کا لہجہ شائستہ مزاج نرم اور زبان سادہ و سلیس ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے آج کے شاعر اپنے قومی مزاج سے بخوبی واقف ہیں۔ سندھی شاعری کی خصوصیات اس کی اپنی قوم کی خصوصیات ہیں۔ اس کا اندازِ تخاطب انتہائی دِلکش ہے۔ وہ اپنے محبوب کو دِلرُبا، مہ لقا، مہ جبیں اور ماہ وِش کی بجائے سائیں، سوہنا، مٹھڑا، مٹھا وغیرہ الفاظ سے پکارتی ہے۔ اس کا پیار سندھ کی مٹی اور مہران کے کنارے کا پیار ہے اور اس لیے اس کا اظہار فطری معلوم ہوتا ہے۔(4)

جدید شاعری کی دوسری اہم خصوصیت اس کی انفرادیت ہے ہمارے دور کے ہر اچھے شاعر نے اپنی کاوِش سے شعری تخلیق میں ذاتی مشاہدات، تجربات اور احساسات کو بیان کیا ہے۔ اِس طرح اس دور کی شاعری نے بہت سے نئے اِستعارات، تشبیہات، اِصطلاحات اور محاورات سے سندھی ادب کو متعارف کرایا ہے۔ تخلیقی صلاحیت شاعری یا کسی بھی دوسری صنفِ ادب کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ روایتی شاعری کی گھسی پٹی اِصطلاحات سے بیزار ہو کر نئے شعراء نے اپنی وسعتِ نظر سے کام لیا ''نرگس بیمار'' کے تصوّر کی بجائے نیم کے بُور اور سرسوں کے پھولوں کے حسن کو سمیٹ کر اپنی شاعری میں دِلکشی پیدا کی ہے۔

مہندی پھوٹنے لگی ہے دوست نیم میں بور آ گیا ہے
تو کب تک مجھ سے دُور رہے گا
آ۔ کہ سرسوں میں پھول آ رہے ہیں میرے محبوب!

(شیخ ایاز)

شیخ ایاز پچاس کی دہائی میں اُبھرے۔ ساٹھ کی دہائی میں اپنے عوام کی اُمنگوں کے قومی ترجمان بن گئے اور ستر کی دہائی میں انھیں سندھی ادب اور شاعری میں رُوحِ عصر تسلیم کر لیا گیا۔

پاکستانی دور کی شاعری اور روائتی شاعری میں دوسرا نمایاں فرق ماحول کا ہے۔ شاعری دُنیا کے کسی بھی حصے کی ہو اس کا تعلق انسان کی اعلیٰ بنیادی جبلتوں مثلاً حسن پرستی وطن پرستی، زندہ رہنے کے جذبے وغیرہ سے ہوتا ہے۔ شاعری جذبات و احساسات کا اظہار ہے اور احساس و جذبہ ان ہی بنیادی جبلتوں کی شاخیں ہیں۔ ہر قوم کی بنیادی شاعری میں ان ہی جبلتوں کی نشاندہی اس کے اپنے مخصوص رنگ اور ماحول میں کی جاتی ہے جو اِس قوم کے جغرافیائی، تہذیبی، معاشرتی اور نفسیاتی صورتِ حال کا آئینہ ہوتا ہے۔ سندھی کی روائتی شاعری جو فارسی کے زیرِ اثر پروان چڑھی تھی۔ زیادہ تر ایران کے ماحول کی عکاسی کرتی ہے جیسے روائتی محفلیں، ساقی و مئے، رند، رقیب روسیہ، سرو کے پودے اور نرگس کے پھول وغیرہ قدیم شاعری میں ایسے مضامین کی بھرمار ہے کہ ''ہمارے گھر گھر میں نرگس اور گلی گلی میں سرو کے پودے اُگ آئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم شعراء ذاتی مشاہدے، احساس اور تاثر سے زیادہ مطالعے کے سہارے شعر کیا کرتے تھے جو اُن میں قوتِ تخلیق و مشاہدہ کے فقدان کی دلالت کرتا ہے۔

آج کے سندھی شعراء نے حسن کے روایتی تصوّر کو ترک کر کے مطالعے کا سہارا لینے کی بجائے اپنی ذاتی قوتِ مشاہدہ سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ اپنے احساس کی لطافت کا اِستعمال کرتے ہوئے انھوں نے سرسوں کے پھولوں کی خوشبو پھیلا کر اندھیری راتوں میں روشنی کی جھمکار لگا دی ہے۔

خیالات کے اُفق پر کونجوں کی ڈاریں پرواز کر رہی ہیں اور ان کے احساس کی شدت سے سندھ کی لہروں میں شدت اور ہلچل پیدا ہو گئی ہے۔ گیت نے اگرچہ تھوڑا عرصہ پہلے بامقصد شعری صنف کے طور پر اپنے آپ کو منوایا تھا لیکن قیامِ پاکستان کے سیاسی و سماجی حالات میں تیزی سے آنے والے تاریخی حالات نے اسے جدید تحریک کی شاعری بنا دیا۔ اس میں ہر قسم کے فنی اسباب، مقامی ماحول، رسوم و رواج اور ثقافتی حالات سے مطابقت رکھنے کے حقائق سمونے کی گنجائش تھی، جس کی وجہ سے فوری طور پر یہ شاعری عوامی اُمنگوں اور جذبوں کی ترجمانی کا سبب بن گئی۔ بردہ سندھی نے گیت کو اس قدر ترقی دی کہ گیت مفہوم و مقاصد کے اظہار کا ذریعہ بن

گیا۔ یہی وجہ تھی کہ بردہ سندھی ''گیت کا بادشاہ'' بن گیا تھا۔(5)

سندھی نظم تو گیت سے بھی مقبولیت وشہرت میں آگے آنے والی شعری صنف ثابت ہوئی۔ اس شاعری میں سندھی شعراء نے نئے موضوعات سموکر، جدید تجربات کی مدد سے اِس قابل بنایا کہ اسے ہر ایک نے اپنی مقامی صنف سمجھنا شروع کیا۔ اگرچہ کئی شعراء کی اِس شعری صنف میں مہارت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم ہری دلگیر کو سندھی نظم کی صنف میں جدت و ندرت لانے والوں کا علمبردار کہا جاتا ہے۔(6)

غزل جو کہ ایرانی حکمرانوں کے ہمراہ تمام برصغیر میں آئی اور مقبولیت حاصل کرتی رہی ہے۔ وہ سندھی ادب کا بھی حصہ بنی اور اسے فارسی ہیئت، مواد، اِصطلاحوں، اِستعاروں محاوروں، تشبیہات اور قافیوں سمیت سندھی عوام نے قبول کرنا شروع کیا تھا لیکن قیام وَن یونٹ کے بعد سیاسی تبدیلی کے باعث ادب میں حقیقی رنگ بھرنے اور بامقصد پیغام کا ذریعہ بنانے والی کوشش نے غزل کو بھی تبدیلی کے لائق گردانا اور غزل بھی مسائل بیان کرنے کا ذریعہ بنتی چلی گئی۔

> کشن چند ''بیوس'' کو غزل کو ''مقصدیت'' کا وسیلہ بنانے والی تحریک کا بانی سمجھا جاتا ہے، جب کہ شیخ ایاز، ہری دلگیر اور نارائن شیام کے نام بھی تجرباتی دور کے بانی کاروں میں شامل کیے جاتے ہیں۔(7)

اسی طرح سندھی بیت کے حوالے سے ملاحظہ کریں:

> سندھی بیتسید ھا راستہ تو یہ ہے کہ شعر کے میدان میں ہم متقدمین کی راہنمائی قبول کریں۔(8)

بیت سندھی شاعری کی کلاسیکی صنف ہے۔ اس میں بھی شاعروں نے نئے نئے تجربے کیے اور مضامین میں اضافہ کیا:

دوہے:

یہ بھی کلاسیکی صنف ہے بیت کی طرح اس میں بھی جدید شعراء نے اپنے جذبات اور احساسات بیان کیے ہیں۔

وائی اور کافی:

یہ دونوں اصناف ہر دور میں مقبولِ عام رہی ہیں۔ کلاسیکی اور جدید شعراء نے اپنے جذبات اور احساسات کو ان اصناف میں بیان کیا ہے۔ آزادی کے بعد ان اصناف کے مضامین میں نئے نئے تجربے کیے گئے ہیں۔(9)

جدید شاعروں نے ہیئت میں نت نئے تجربات کیے ہیں یہاں چیدہ چیدہ باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

1۔ غیر ملکی زبانوں کی مروّجہ ہیئتیں (forms) نئی سندھی شاعری میں عام طور پر استعمال کی جارہی ہیں۔ آزاد نظم اور سانیٹ ان قابلِ ذکر ہیں۔

2۔ کلاسیکی ہیئتیں: مثلاً بیت، کافی اور دوہے موضوعات میں وسعت و تنوّع کے ساتھ اِستعمال کی جارہی ہیں۔

3۔ کلاسیکی ہیئتیں اور فارسی کی شعری تکنیک کو مِلا کر نئی ہیئتیں تکنیکیں پیدا کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بردو سندھی اور شیخ ایاز کا نام قابلِ ذِکر ہے۔

4۔ گیت کے مصرعوں اور مصرعوں کے ارکان کی تعداد میں تبدیلی کر کے اظہار کے نئے طریقے دریافت کیے گئے ہیں۔

5۔ غزل کو فارسی کے کلاسیکی رنگ سے آزاد کر کے سندھی ماحول، اسلوب اور موسیقیت سے ہم آہنگ کیا گیا ہے۔

شاعری کی بنیاد سندھ کی کلاسیکی روایتوں پر رکھی ہے اور انھیں نئے طرز سے اِستعمال کیا ہے:

گر نار کو آہستہ آہستہ جلاؤں
پھر سے سُر لگاؤں اور چنگ بجاؤں (ایاز)

زندگی سی کے دُکھ کی طرح نہ بنے
اور اس موہل کے انتظار کی طرح نہ ہو (نیاز ہمایونی)

اس دور میں شعراء دو مکاتبِ فکر میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو

''ادب برائے زندگی'' کے نظریے کا قائل ہے۔ اس گروہ میں ترقی پسند شعراء شامل ہیں وہ اپنے کلام میں زندگی کے روزمرہ کے معاشی اور معاشرتی مسائل کا ذِکر کرتے ہیں اوران مسائل کے حل متلاشی ہیں۔ گروہ مذکور کے نمائندہ شاعروں میں شیخ ایاز، عبدالکریم گدائی مرحوم، نیاز ہمایونی، ایاز قادری، شیخ عبدالرزاق راز، تنویرعباسی، شمشیرالحیدری، امداد حسینی، فخر شہباز، تاج بلوچ، ہدایت بلوچ، محمد خان مجدی، ابراہیم منشی اور بردہ سندھی شامل ہیں۔ دوسرا گروہ: ''ادب برائے ادب'' کے نظریے کا مبلغ ہے۔ اس مکتبِ فکر کے شعراء غزل کی روایات کی طرح پابندی کرتے ہیں۔ یہ حضرات مادیت اورمغرب کی تقلید پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ اس مکتبِ فکر کے حامی شعرا محمد خان غنی مرحوم، رشید احمد لاشاری مرحوم، ڈاکٹر محمد ابراہیم خلیل، سیّد سردار علی شاہ، عطا محمد حامی، اظہر گیلانی، حافظ احسن چنا، احمد خان آصف اور مظفر حسین جوش وغیرہ ہیں۔

شاعری کے نمونے:

مقدر اگر بگڑ بھی گیا تو ہم نے اسے سنوار دیا
اس کشمکش حیات میں بھی ہنس کر جیتے رہے
شراب محبت کسی سے بھی چھپا کر نہیں رکھی
جو بھی پیاسا اپنے پاس آیا اسے سیراب کر دیا

(عبدالکریم ''گدائی'')

جو لوگ حقائق سے مفرور ہوئے
روشن دماغ ہوتے ہوئے بھی بے نور ہوئے
دُنیا کے مال و جاہ کا گلہ کیا
یہاں درویش بھی مغرور ہو جاتے ہیں

(شیخ عبدالرزاق ''راز'')

چشمِ گریاں میں سرشک خندہ زن پیدا ہوا
تا کہ شام غربت میں صبحِ وطن پیدا ہوا
گیسوؤں کے پیچ وخم میں زیست کی جستجو نہ کر

آ ؤ تو اس سے دار و رسن پیدا کریں

(مظفر حسین ''جوش'')

بیجل نے ساز چھیڑا، تو ساری گرنار گونج اُٹھی
اس نے سر کی صدا لگائی وہ ایک انوکھا گائک تھا
رائے ڈیاچ کو اس کی، نغمہ سرائی بہت پسند آئی
جو ناگڑھ تو جل ہی گیا، جنگل میں بھی آگ لگ گئی
آصف مجھ جیسی انجان کا اب خدا ہی نگہبان ہوگا (10)

(احمد خاں آصف مصرانی)

قیامِ پاکستان کے بعد سندھی ادیبوں اور شاعروں نے اِس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا اور شاہ بھٹائی کی راہنمائی میں اس راز کو پالیا کہ آدمی جس زبان میں سوچتا ہے۔ اس کے ادب کی بھی وہی زبان ہوتی ہے کیونکہ زبان خلاء سے نہیں اُترتی بلکہ زندگی کے ہمہ گیر رشتوں سے وجود پا کر تہذیبی اقدار کی تربیت میں پروان چڑھتی ہے اور تاریخ کی پیشوائی میں ارتقائی منزلیں طے کرتی ہے۔ بڑا ادب اسی زبان میں پیدا ہوتا ہے جو صدیوں کی وراثت کی حامل ہو۔ شاہ صاحب کی شعری لسانیات میں یہ نکتہ پوشیدہ تھا۔ عصرِ حاضر کے ادیب نے اس نکتہ کو اپنالیا اور اپنے ادبی تشخص کی داخلی تعمیر میں مصروف ہوگیا۔ عہدِ حاضر کے ادیب اور شاعر نے خیالات کی حد تک دُنیا کی ہر زبان سے اِستفادہ کیا جو اس کی دسترس میں تھی، انھوں نے شعر و ادب کی ہیئتوں میں بھی تجربے کیے اور نت نئے اسلوب بھی ڈھالے لیکن روایت سے کوئی ایسی بغاوت نہیں کی جس سے ماضی کا رشتہ ٹوٹ جائے۔

بیت اور وائی سندھی کی قدیم ترین اصنافِ سخن ہیں۔ ان اصناف میں آج بھی شاعری ہو رہی ہے اور حُسنِ بیان کی خوبصورت مثالیں سامنے آ رہی ہیں۔ ان میں خوشگوار اور خوش آہنگ تجربے بھی ہو رہے ہیں اور عہدِ حاضر کی آ گہی بھی ان اصناف کو عہدِ حاضر کی آ گہی بھی ان اصناف کو عہدِ حاضر کی صداقتوں کا ترجمان بنا رہی ہے۔ اِسی طرح کافی، نظم اور غزل بھی شاعری کے نئے تقاضوں سے آشنا ہو رہی ہے اور اسلوب کے نئے لہجے متعین ہو رہے ہیں۔ (11)

☆☆

حوالے:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین، عیدگاہ روڈ، فیصل آباد۔

1۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب، شناخت کی نصف (صدی، راولپنڈی: ریز پبلی کیشنز، 2000) 505۔

2۔ سیّد حسین محمد جعفری، ڈاکٹر، احمد سلیم، مرتبین، پاکستانی معاشرہ اور ادب (کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، 1987)168۔

3۔ ایضاً، 170۔

4۔ آفاق صدیقی، جدید سندھی ادب (لاہور: پاکستان فاؤنڈیشن، جون 1977) 16

5- http://www.suhaee.com/shaikhayaz/sindhi02.htm

6۔ راز، عبدالرزاق شیخ، مقالہ مطبوعہ ماہوار نشیں زندگی (کراچی، جنوری 1957) 119۔

7۔ حیدر سندھی، پروفیسر، ڈاکٹر، سندھی زبان و ادب کی تاریخ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، 2005) 209۔

8۔ عبدالشکور احسن، مرتبہ، پاکستانی ادب، لاہور، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، اگست 1981) 284۔

9۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب شناخت کی نصف صدی 508۔

10۔ نیاز ہمایونی (مترجم) سندھی شاعری، قدیم و جدید شعراء (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، 1987) 162۔

11۔ رشید امجد، فاروق علی، مرتب، سرسیّدین، پاکستانی ادب (راولپنڈی: فیڈرل گورنمنٹ سرسیّد کالج، 1981) 775۔